تفسیر کشاف

(وہ کتابیں اپنے آباء کی......اس عنوان کے تحت اسلام کے مصادر ومراجع میں سے کسی ایک کتاب کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے، اس بار امام زمخشری کی مشہور کتاب تفسیر کشاف کے تعارف کی دوسری قسط نذر قارئین ہے)

مولانا نورالرحمٰن ہزاروی

تفسیر کشاف علماء کی نظر میں! اہل علم نے اگرچہ "تفسیر کشاف" پر اعتزالیات کی وجہ سے زبردست علمی مواخذے کیے ہیں۔ تاہم اس کے بلاغی اور ادبی پہلو کو انہوں نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ذیل میں ہم بطور نمونہ چند اہل علم کی "تفسیر کشاف" کی بابت آراء وتاثرات ذکر کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

☆......امام ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے "البحر المحیط" کے مقدمہ میں حافظ ابوالقاسم بن بشکوال کا تفسیر ابن عطیہ اور تفسیر کشاف کے درمیان کیا ہوا مقارنہ ذکر کیا ہے، جس میں انہوں نے مختصر الفاظ میں تفسیر کشاف کا انتہائی گہرا تجزیہ کیا اور اس پر پرمغز تبصرہ کیا ہے، ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"وكتاب ابن عطية أنقل وأجمع وأخلص، وكتاب الزمحشري ألخص و أغوص، إلا أن الزمحشري قائل بالطفرة، ومقتصر من الذؤابة على الوفرة، فربما سنح له آبي المقادة، فأعجزه اعتياصه، ولم يمكنه لتأنيه اقتناصه، فتركه عقلاً لمن يصطاده، وغفلاً لمن يرتاده، وربما ناقض هذا المنزع، فثنى العنان إلى الواضح والسهل اللائح، وأجال فيه كلاماً، ورمى نحو غرضه سهاماً، هذا مع مافي كتابه من نصرة مذهبه، وتقحم مرتكبه، وتجشم حمل كتاب الله عزوجل عليه، ونسبة ذلك إليه :فمغتفر إساء ته لإحسانه، ومصفوح عن سقطه في بعض؛ لإصابته في أكثر تبيانه" (البحر المحيط: ١/١٠)

"یعنی: ابن عطیہ کی تفسیر میں تفسیر ماثور کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے، نیز وہ زیادہ جامع اور بے کھوٹ ہے، جب کہ کشاف میں اختصار زیادہ ہے، نیز وہ علمی نکات پر مشتمل ہے۔ البتہ زمخشری اکثر صرف "بالائی" کے قائل ہیں، اور بالوں کی لٹ میں سے صرف کانوں سے ملے ہوئے بالوں پر اکتفا کرتے ہیں (یعنی سامنے سامنے کی باتیں کرتے ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرتے)۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی بحث یا لفظ ان کے سامنے آیا جو بہ آسانی اپنے آپ کو حوالہ کرنے

سے انکاری ہو (یعنی پیچیدہ ہو) اور اس لفظ کی پیچیدگی ان کو بے بس کردے اور اس کی سستی کی وجہ سے اس کا شکار کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو وہ اسے چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح الجھا ہوا اس شخص کے لئے جو اسے شکار کرنا (حاصل کرنا) چاہتا ہے اور بے نشان و بے علامت اس شخص کے لئے جو اسے طلب کرنا چاہے اور کبھی وہ اپنی اس روش کے برخلاف قلم کی مہار بالکل آسان اور واضح بحث کی طرف پھیر کر اس میں قلم کا گھوڑا دوڑاتے ہیں اور خوب دوڑاتے ہیں اور اس آسان ہدف کی طرف خوب تیر پھینکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور عیب بھی ان کی کتاب میں یہ ہے کہ اپنے مذہب کا دفاع کرتے ہوئے اس میں خوب جان مارتے ہیں اور قرآنی آیات کو اپنے مذہب کے تابع کرتے اور ان کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جو ان کے نظریات سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بلاغی پہلو کے حوالے سے خدمت قرآن کی نیکی اور اکثر مقامات میں ان کی اصابت کی بدولت ان کی یہ فروگذاشتیں معاف فرمادیں گے۔"

☆......شیخ حیدر ہروی جنہوں نے تفسیر کشاف پر تعلیقی کام بھی کیا ہے، لکھتے ہیں:...... وبعد، فإن كتاب الكشاف كتاب علي القدر رفيع الشان، لم يرمثله في تصانيف الأولين، ولم يرد شبيهه، ولم يرد شبيهه في تآليف الآخرين. اتفقت على متانة تراكيبه الرشيقة كلمة المهرة المتقنين. واجتمعت على رصانه أساليبه الأنيقه ألسنة الكملة المفلقين. ما قصّر في تنقيح قوانين التفسير وتهذيب براهينه، وتمهيد قواعده و تشييد معاقده. وكل كتاب بعده في التفسير – ولوفرض أنه لايخلوعن النقير والقطمير – إذا قيس به، لاتكون له تلك الطلاوة، ولايوجدفيه شي ء من تلك الحلاوة، على أن مؤلفه يقتفي أثره، ويسأل خبره، وقلما غير تركيباً من تراكيبه إلاوقع في الخطإ و الخطل. وسقط من مزالق الخبط والزلل؛ ولذلك قد تداولته أيدي النظار، فاشتهر في الأقطار، كالشمس في وسط النهار (كشف الظنون: ۳/۹۶) یعنی:"......تفسیر کشاف جلیل القدر اور عظیم الشان کتاب ہے، جس کی نظیر اور شبیہ نہ پہلوں کی تصانیف میں ملتی ہے اور نہ بعد والوں کی تالیفات میں۔ اس کی خوش نما دل موہ لینے والی تراکیب کی پائیداری پر اور اس کے اسالیب کی ٹھوس سلیقہ مندی پر ماہرین فن اور بلغاء کاملین کا اتفاق ہے۔ امام زمخشری نے نہ تفسیر کے قوانین براہین کی تنقیح وتہذیب میں لاپرواہی برتی اور نہ اس کی بنیادوں کو ہموار کرنے اور عمارت کو مستحکم کرنے میں سستی دکھائی۔ ان کے بعد تفسیر میں لکھی گئی کوئی بھی کتاب اگر چہ وہ کھجور کی گٹھلی پر چڑھی ہوئی باریک جھلی اور کھجور کی گٹھلی کے گڑھے سے بھی خالی نہ ہو (یعنی اس میں سب کچھ ہو) مگر کشاف کے مقابلہ میں اس کی وہ رونق اور آب وتاب نہ ہوگی اور نہ اس میں اس کی وہ مٹھاس ہوگی، اور اُس تفسیر کے مولف نے وہی طرز نگارش اختیار کیا ہوگا جو امام زمخشری نے کشاف میں اختیار کیا ہے، مگر اس کے باوجود کشاف والی رونق اور چاشنی اس میں نہیں ہوگی۔ پھر کشاف کی تعبیرات وتراکیب میں اتنی دقت اور گہرائی ہے کہ اگر وہ مولف ان تعبیرات میں کوئی ردوبدل کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ لازماً غلطی کرے گا اور ٹھوکر کھائے گا۔ کشاف کی انہی بیش بہا خصوصیات کی وجہ سے لوگوں

میں اس کا خوب چرچا ہے اور اس کی شہرت دنیا میں ایسی ہے جیسے نصف النہار میں سورج آب وتاب سے چمکتا ہے۔

☆......علامہ ابن خلدون تفسیر کشاف کا علمی مقام وتفوق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں...... ومن أحسن ما اشتمل عليه هذا الفن من التفاسير كتاب الكشاف للزمخشري، من أهل خوارزم العراق، ...... مع إقرار هم برسوخ قدمه فيما يتعلق باللسان والبلاغة. وإذاكان الناظر فيه واقفاًمع ذلك على المذاهب السنية، محسناً للحجاج عنها، فلاجرم أنه مأمون من غوائله، فلتغتنم مطالعته لغرابة فنونه في اللسان. (مقدمة ابن خلدون: ص ٤٩١)...... یعنی: ”لغت، اعراب اور بلاغت وغیرہ کے پہلوؤں سے لکھی گئی تفاسیر میں سب سے عمدہ تفسیر جار اللہ زمخشری خوارزمی کی کتاب ”الکشاف“ ہے...... محققین اہل السنت والجماعت اور جمہور علماء نے اس میں باطل اعتزالی آراء وافکار کی نشان دہی کی ہے، مگر لغت وبلاغت میں زمخشری کے رسوخ قدم کے وہ بھی معترف ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اہل سنت وجماعت کے عقائد ونظریات سے علی وجہ البصیرت آگاہ ہو اور کشاف کے اعتزالیات کے بحر ظلمات میں اس کے غرق ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے کہ اس میں فنون بلاغت ولغت کے بیش بہا نکتے بیان کئے گئے ہیں۔“

☆......علامہ تاج الدین سبکی اپنی کتاب ”معيد النعم ومبيد النقم“ میں رقم طراز ہیں: ”واعلم أن الكشاف كتاب عظيم في بابه، ومصنفه إمام في فنه...... مع مافي كتابه من الفوائد و النكت البديعة“. (النماذج الخيرية: ص ٣١٠) یعنی: ”کشاف اپنے باب میں عظیم الشان کتاب ہے اور اس کا مصنف اپنے فن کا امام ہے...... یہ کتاب متعدد فوائد اور بدیعی نکات پر مشتمل ہے۔“

امام زمخشری کا اسلوب نگارش! کسی بھی سورت کی تفسیر شروع کرتے وقت امام زمخشریؒ اس سورت کے مکی و مدنی ہونے کی نشان دہی کرتے اور اس کی آیات کی تعداد بتلاتے ہیں، کبھی کبھار مکی مدنی ہونے سے متعلق اختلاف ہو تو وہ بھی بیان کردیتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے: سورۃ فاتحہ، جلد اول، صفحہ ۱۔ اسی طرح اگر کسی سورت کی کچھ آیات مدنی یا مکی ہوں اور سورت اس کے برعکس تو اس کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے: سورۃ المائدہ، جلد اول، صفحہ ۶۰۰۔ اگر سورت کے متعدد نام ہوں تو کبھی کبھار اس کا ذکر بھی کردیتے ہیں۔ اگر سورت کی فضیلت میں کوئی حدیث یا اثر وارد ہو تو اسے عموماً سورت کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ یہ تو وہ کام ہیں جو وہ ہر سورت کی تفسیر میں کرتے ہیں۔

آیات کریمہ کی تفسیر میں ان کا اسلوب وطرز یہ ہے کہ وہ آیت کے مفردات کا لغت واعراب کے اعتبار سے تجزیہ وتحلیل کرکے اس کے معنی بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ فصحاء عرب کے اشعار سے بکثرت استشہاد کرتے ہیں۔ آیت کے معنی اگر کسی لفظ خواہ وہ عامل ہو یا معمول، فاعل ہو یا مفعول، ظرف ہو یا جار ومجرور، مضاف ہو یا موصوف، کی تقدیر کے بغیر تمام نہیں ہوتے تو ان مقدرات کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔ آیت کریمہ جن بلاغی نکتوں اور محسنات بدیعیہ پر مشتمل ہوتی ہے انہیں خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ تفسیر کشاف کی یہی خوبی اسے دیگر تفاسیر سے ممتاز اور نمایاں

کرتی ہے۔آیت اور اس کے مفردات کی اعرابی حیثیت بھی جب ضرورت ہو تو بیان کرتے ہیں۔کبھی کبھار نحوی مباحث کے بیان میں بسط وتفصیل سے بھی کام لیتے ہیں۔مختلف قراءتیں بھی جابجا بیان کرتے ہیں۔تفسیری نکات کے لئے سوال وجواب کا اسلوب اختیار کرتے ہیں، جو اوقع فی الذہن ہے۔اس کے علاوہ معمولی معمولی مناسبتوں سے قیمتی علمی فوائد و نکات اور اسرار و رموز بھی بیان کرتے ہیں۔آیت یا کسی لفظ کی تفسیر میں اختلاف ہو تو اسے بھی عموماً بیان کرتے ہیں، مگر اکثر زیادہ تفصیل اور گہرائی میں نہیں جاتے۔عموماً راجح قول پہلے ذکر کرتے ہیں۔آیات الاحکام سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام ومسائل میں فقہاء وائمہ کے درمیان اختلاف کو بھی اجمالاً ذکر کرتے ہیں۔

فقہی مسائل میں اعتدال! امام زمخشریؒ آیات الاحکام کی تفسیر کرتے وقت ان آیات سے مستنبط ہونے والے احکام ومسائل کی بابت ائمہ وفقہاء کے درمیان اختلاف کو بھی ذکر کرتے ہیں۔مگر زیادہ تفصیل اور گہرائی میں نہیں جاتے۔مسلکاً حنفی ہیں۔مگر متعصب نہیں۔چنانچہ اگر کسی اور امام کا قول انہیں راجح معلوم ہو تو اس کو ترجیح دے دیتے ہیں۔تفسیر میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔بطور نمونہ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

☆......﴿ولا تقربوهن حتى يطهرن فإذا تطهرن فأتوهن من حيث أمركم الله﴾ (البقرہ:۲۲۲) کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے فرمایا کہ ﴿حتى يطهرن﴾ میں ایک قراءت "يطَّهَّرن" یعنی "يتطهَّرن" بھی ہے، جس کی دلیل ﴿فإذا تطهَّرن﴾ ہے۔نیز حضرت عبداللہؓ نے اس کو دو طرح سے پڑھا ہے: يتطهَّرن اور يطهرن۔"تطهُّر" کے معنی ہیں: غسل کرنا۔اور "طہر" کے معنیٰ میں: دو حیض کا ختم ہونا۔دونوں قراءتوں پر عمل واجب ہے۔چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: حیض اگر دس دن جو اکثر مدت حیض ہے، میں ختم ہو تو عورت سے بغیر غسل کے جماع کرسکتا ہے۔اور اگر دس دن سے کم میں ختم ہوا تو جب تک عورت غسل نہ کرے یا اس پر ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے تو اس سے جماع نہیں کرسکتا۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں عورت سے جماع نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ عورت خون ختم ہونے کے بعد غسل نہ کرے۔امام شافعیؒ کے قول کو انہوں نے ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: "وهو قول واضح"، کیونکہ اس قول سے دونوں صورتوں میں دونوں قراءتوں پر عمل ہوتا ہے۔(الکشاف:۱/۲۲۵،۲۲۶)

اسرائیلیات کی بابت ان کا موقف! امام زمخشریؒ اسرائیلی روایات بہت کم ذکر کرتے ہیں۔اور اگر ذکر کرتے بھی ہیں تو "روي" کے لفظ سے شروع کرتے ہیں، جو روایت کے ضعیف ہونے اور صحت سے بعید ہونے پر دلالت کرتا ہے یا "والله أعلم بصحته" کہ کر ان کا علم اللہ تعالیٰ کو تفویض کردیتے ہیں، ایسا عموماً ان اسرائیلیات میں کرتے ہیں جن کی تصدیق سے عصمت انبیاء یا دین پر کوئی زد نہیں پڑتی۔اور کبھی ان روایات کے ضعف ووضع پر اجمالاً خود تنبیہ فرماتے ہیں۔ایسا عموماً ان روایات میں کرتے ہیں جن کی تصدیق سے عصمت انبیاء یا دین پر زد پڑتی ہو۔بطور نمونہ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

☆......﴿وهل أتاك نبأ الخصم إذ تسوروا المحراب......﴾ (صٓ:۲۱) کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے

ایک اسرائیلی قصہ بیان کیا، جس کے مطابق حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی نظر اوریا کی حسین وجمیل بیوی پر پڑی تو اس کے حصول کی غرض سے انہوں نے اوریا کو جہاد میں شہید کروانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ انہوں نے ایوب بن صوریا جو بلقاء کے لشکر کے امیر تھے، کو حکم دیا کہ اوریا کو اول خط میں رکھا جائے۔ اول خط کی بابت یہ طے تھا کہ اول خط والے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک وہ شہید نہ ہو جائیں یا انہیں فتح نہ مل جائے۔ دو مرتبہ تو اوریا بچ گئے اور انہیں دشمن کے مقابلے میں فتح نصیب ہوئی۔ البتہ تیسری مرتبہ وہ شہید ہو گئے۔ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو آپ اس پر بالکل غمگین نہ ہوئے۔ اور ان کی بیوہ سے آپ نے شادی کر لی...... یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد امام زمخشریؒ فرماتے ہیں: "فهذا ونحوه لايصح أن يحدث به عن بعض المنتمين بالصلاح من أفناء المسلمين، فضلاً عن بعض أعلام الأنبياء" یعنی: "اس طرح کا فعل ایک ادنیٰ درجہ کے نیک امتی کے شایانِ شان نہیں، چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر اس کے مرتکب ہوں۔" اس کے بعد انہوں نے لکھا: سعید بن میسب اور حارث اعور روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو شخص تمہیں حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہ واقعہ سنائے جیسا کہ بعض واعظین وقُصّاص بیان کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ درے لگاؤں گا۔ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر بہتان طرازی کی یہی حد ہے۔ (الكشاف : ٤/ ٨٠، ٨١)

تفسیری نکات! امام زمخشریؒ کی یہ عادت ہے کہ وہ آیات کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں تفسیری نکات بیان کرنے کا خوب اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے لئے عموماً وہ سوال وجواب کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھار سوال وجواب کا عنوان اختیار کئے بغیر روانی میں بھی نکات ذکر کر دیتے ہیں۔ نیز سوال وجواب کا عنوان کبھی کسی اعتراض کے دفعیہ کے لئے بھی قائم کرتے ہیں۔ بطور نمونہ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

☆...... سورہ اعراف کی آیت کریمہ: ﴿ثم لآتينّهم من بين أيديهم ومن خلفهم وعن أيما نهم وعن شمائلهم﴾ (۱۷) کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں: فإن قلت: كيف قيل: ﴿من بين أيديهم ومن خلفهم﴾ بحرف الابتداء ﴿وعن أيمانهم وعن شمائلهم﴾ بحرف المجاوزة؟ قلت: المفعول فيه عدي إليه الفعل نحو تعديته إلى المفعول به. فكما اختلفت حروف التعدية في ذاك اختلفت في هذا. وكانت لغة توخذ ولاتقاس، وإنما يفتش عن صحة موقعها فقط. (الكشاف : ٢/ ٩٣) یعنی: "اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ بین أيديهم، خلفهم، أيمانهم اور شمائلهم سب ظروف ہیں، مگر پہلے دو کو "من" حرف ابتداء اور آخری دو کو "عن" حرف مجاوزہ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، اس میں کیا نکتہ ہے؟ تو میں اس کا یہ جواب دوں گا کہ جس طرح حروف جارہ کے ذریعے فعل کو مفعول بہ کی طرف متعدی کیا جاتا ہے اسی طرح مفعول فیہ کی طرف بھی متعدی کیا جاتا ہے۔ پھر جس طرح مفعول بہ کی طرف فعل کو متعدی کرنے والے حروف مختلف ہیں اسی طرح مفعول فیہ کی طرف بھی فعل کو متعدی کرنے والے حروف مختلف ہوتے

ہیں، جیسے یہاں ''مـــن '' اور'' عـــن '' ہیں۔ پھر یہ مسئلہ لغت کا ہے اور لغت کا دارومدار نقل پر ہے، قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ البتہ لغت کے موقع استعمال کی صحت کے لئے مناسب توجیہہ کی تفتیش ضروری ہے۔'' مزید آگے فرماتے ہیں: مثال کے طور پر جب ہم نے عرب کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''جلس عن يمينه، وعلى يمينه، وعن شماله وعلى شماله '' تو ہم نے اس کی توجیہ میں کہا: ''على يمينه '' کے معنی ہیں: تمكن من جهة اليمين تمكن المستعلي على المستعلى عليه . یعنی: ''اس نے دائیں جانب پر اس طرح قابو پایا جس طرح مستعلی (اوپر والا شخص) مستعلی علیہ (جو دوسرے کے نیچے ہو) پر قابو پالیتا ہے۔'' اسی طرح ''عن يمينه '' کے معنی ہیں: ''جلس متجافيا عن صاحب اليمين منحرفا عنه غير ملاصق له ''۔ یعنی: ''وہ دائیں طرف والے شخص سے ہٹ کر بیٹھا۔'' بعد ازاں اس کے استعمال میں وسعت پیدا ہوئی مل کر بیٹھنے اور ہٹ کر بیٹھنے دونوں میں استعمال ہونے لگا۔ (الکشاف: ۲/۹۳)

نحو اور قراءات مختلفہ! تفسیر کشاف میں اعراب وقراءات کے مختلف وجوہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاہم اس میں نحوی مباحث دیگر تفاسیر کے مقابلے میں کم ہیں، مگر پر مغز اور پر اثر ہیں۔ امام زمخشریؒ قراءات سبعہ کا ذکر کرتے ہوئے عموماً ہر قراءت کو اس کے قاری کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ دونوں کی ایک ہی مثال ملاحظہ فرمائیں:

☆..... سورہ محمد کی آیت کریمہ: ﴿فهل ينظرون إلا الساعة أن تأتيهم بغتةً فقد جاء أشراطها فأنى لهم اذا جاء تهم ذكراهم﴾ (۱۸) کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے فرمایا: ''أن تأتيهم '' ''الساعة '' سے بدل اشتمال ہے۔ یہاں ایک قراءت ''إن تـأتـهم '' ہے، اس قراءت کی صورت میں ''السـاعـة '' پر وقف کیا جائے گا اور جملہ شرطیہ، استینافیہ ہوگا۔ اہل مکہ کے مصاحف میں اسی طرح ہے۔ شرط کی جزاء ''فـأنـى لهم '' ہوگی۔ اور مطلب یہ ہوگا: اگر ان کے سامنے قیامت آ کھڑی ہوئی تو اس وقت ان کو نصیحت حاصل کرنا کہاں فائدہ دے گا؟ دونوں قراءتوں کی صورتوں میں ''فقد جاء أشـراطهـا '' کا تعلق ''اتیان ساعہ'' سے ہوگا اور یہ تعلق ایسا ہے جسے علت کا معلول کے ساتھ۔ جیسے قائل کے قول: ''ان أكرمني زيد؛ فأنا حقيق بالإ كرام أكرمه '' میں '' فأنا حقيق بالإ كرام '' کا تعلق فعل شرط کے ساتھ ہے اور یہ فعل شرط کی علت ہے۔ '' بغتة '' میں ابوعمرو سے ایک قراءت ''بَغَتَّة '' بروزن ''جَرَبَّة '' بھی مروی ہے۔ مگر یہ لغت غریب ہے مصادر میں اس کی مثل وارد نہیں ہوئی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ابوعمرو سے روایت کرنے میں کسی راوی سے غلطی ہوئی ہے۔ اور صحیح لفظ شاید ''بَغَتَة '' ہو۔ جیسا کہ حسن بصریؒ کی قراءت ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ (الکشاف: ۴/۳۲۳)

قرآن کریم کا بلاغی پہلو! امام زمخشری کی تفسیری جدوجہد مساعی میں جس چیز کو نمایاں مقام حاصل ہے، وہ ان کا قرآن کریم کے بلاغی پہلو کو اجاگر کرنا ہے۔ معانی و بیان سے متعلق انہوں نے قرآن کریم کی بلاغی ثروت کا جس قدر اہتمام کیا ہے اور اس میں وہ جتنا کامیاب رہے ہیں قلم اس کے بیان سے عاجز ہے۔ بلا مبالغہ اس باب میں کوئی تفسیر، کشاف کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی۔ آیات کریمہ کی تفسیر کی ذیل میں انہوں نے جو استعارات، مجازات، تشبیہات، محسنات بدیعیہ اور دیگر بلاغی اسرار ورموز

پر جو روشنی ڈالی ہے، اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کے جمالِ اسلوب اور کمالِ نظم کو اجاگر کرنے کے کس قدر دلدادہ اور خوگر تھے۔ تفسیر کشاف میں ان کی تفسیری مساعی کے اسی نمایاں پہلو نے ان کو ترقی کی اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ اور واقعتہً وہ تھے بھی اسی مقام کے قابل۔ بلکہ اس باب میں احباب واغیار دونوں نے ان کی تفسیر سے خوب خوب استفادہ کیا اور قرآن کریم کے بلاغی پہلو کو اجاگر کرنے کے حوالے سے ان کی تفسیر بعد والوں کے لئے ایک اہم مرجع بن گئی۔ بلکہ بعض اہل علم کے بقول اہل مشرق کو فن بلاغت میں جو براعت ومہارت حاصل ہوئی، اس میں تفسیر کشاف کا بہت بڑا اور اہم کردار ہے۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ اہل مشرق کو فن بلاغت میں اہل مغرب پر فوقیت تفسیر کشاف کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں: "أونقول: لعناية العجم – وهم معظم أهل المشرق – بتفسير الزمخشري، وهو كله مبني على هذا الفن، وهو أصله". (مقدمة ابن خلدون: ص ٦٤٦) بطور نمونہ ایک مثال ملاحظہ ہو:

☆......سورہ بقرہ کی آیات کریمہ: ﴿الٓمّٓ ذلك الكتاب لاريب فيه هدى للمتقين﴾ کی تفسیر کے ذیل میں ان آیات کریمہ کا محل اعراب بیان کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا: کمال بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ ان اعرابی احتمالات کو نظر انداز کرتے ہوئے یوں کہا جائے کہ "الــمّ" مستقل جملہ ہے۔ یا یہ تین حروف تہجی کا ایک طائفہ ہے جو مستقل بالذات ہے۔ "ذلك الكتاب" دوسرا جملہ ہے۔ "لاريب فيه" تیسرا جملہ ہے۔ اور "هدى للمتقين" چوتھا جملہ ہے۔ اس ترتیب کے ساتھ ان کو لانے میں بلاغت اور موجبِ حسنِ نظم کا خوب خیال رکھا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ چاروں جملے بغیر حرف عطف ایک دوسرے سے ہم کنار، متناسق اور بغل گیر ہو کر لائے گئے ہیں۔ چنانچہ دوسرا جملہ پہلے کے ساتھ متحد، بغل گیر اور اس سے معانقہ کئے ہوئے ہے۔ اور یہی حال تیسرے اور چوتھے جملے کا بھی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ "الــمّ" کہہ کر اس بات پر تنبیہ کر دی گئی کہ یہ ایسا کلام ہے جس کے ذریعے قرآن کریم کا مثل لانے کے لئے عرب کو چیلنج کیا گیا ہے۔ پھر "ذلك الكتاب" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ کتاب غایت کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ گویا اس سے "تحدی" کے پہلو کی تقریر وتاکید ہو گئی۔ اس کے بعد "لاريب فيه" کہہ کر "ريب" کی نفی کر دی گئی، گویا یہ اس کتاب کے کمال کی گواہی ہے۔ پھر "هدى للمتقين" کہہ کر اس امر کی تاکید کی گئی کہ یہ کتاب بالکل برحق اور یقینی ہے، جس میں شک کا ذرہ بھر شائبہ بھی نہیں۔ علاوہ ازیں ان چاروں جملوں میں سے ہر ایک میں زبردست بلاغی نکتہ ہے۔ چنانچہ پہلے جملے میں "حذف" ہے، نیز غرض اور مقصود کی طرف انتہائی لطیف طریقے سے رمز واشارہ بھی ہے، دوسرے جملے میں خبر کو معرفہ لایا گیا ہے، جس میں اس کی ضخامت کی طرف اشارہ ہے۔ تیسرے جملے میں "ريب" کو ظرف (فيه) پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور چوتھے میں حذف (حذف مبتداء) ہے، نیز مصدر "هدى" کو وصف "هاد" کی جگہ رکھا گیا ہے اور اسے نکرہ لایا گیا ہے اس کے علاوہ "المتقين" کے ذکر میں ایجاز ہے۔ (الكشاف: ١/ ٣٧) (جاری ہے)

☆☆☆